یعنی ان لوگوں میں سے جنھوں نے پھوٹ ڈال دی اپنے دین میں اور بٹ گئے فرقوں میں. ہر فرقہ اس (طریقے) پر جو ان کے پاس ہے مگن ہے (۳۰/۳۲)

# خطبہ جمعۃ المبارک

## عنوان

## ہماری دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں

زیرِ اہتمام جوہری ٹرسٹ (جامع مسجد محمدی نئی آبادی اثاری سروبہ لاہور)

تعاون محترم جاوید اختر جوہری صاحب صدر جوہری ٹرسٹ

اَلْحَمْدُ لِوَ لِیَّہٖ وَاصَّلٰوۃُ عَلٰی نَبِیِّہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَمَّابَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ لشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَقَالَ رَبُّکُمْ دْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّزِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْ خُلُوْنَ جَہَنَّمَ دَاخِرِیْنَ

درجمہ: اور فرمایا تمہارے رب نے پکارو مجھے قبول کروں گا میں دعائیں تمہاری۔ یقیناً وہ لوگ جو گھمنڈ میں آ کر منہ موڑتے ہیں میری عبادت دعا سے وہ ضرور داخل ہونگے جہنم میں ذلیل وخوار ہو کر (۴۰/۶۰)

وَقَالَ النَّبِیُّ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃُ اَوْکَمَاقَالَ النَّبِیُّ ﷺ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم

سامعین ذی وقار آج کے خطبہ جمعۃ المبارک کا عنوان ہے ہماری عائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں رب حق سے دعا ہے کہ رب ہمیں اپنے عنوان پر قرآن کے مطابق گفتگو کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

## دعا

اب ہم اپنے سفر تحقیق کی اس وادی میں اتر رہے ہیں جہاں (بقول کسے) فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں. ہمارے موضوع کے اس گوشے کا تعلق قلب انسانی کے نازک ترین گوشے سے ہے۔ دعا کا رشتہ خالصۃً انسانی جذبات سے ہے اور قرآن کریم کی تلقین وتاکید یہ ہے کہ تم، تمام مسائل حیات کے متعلق فکر وتدبر سے کام لو اور ان پر علم وبصیرت کی رو سے غور کرو۔ فکر وجزبات کا یہی وہ تصادم ہے جس کے پیش نظر ہم نے کہا ہے کہ اب ہم اس وادی میں اتر رہے ہے جہاں فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں۔ جب تاریخ کے اسٹیج پر اولیں انسان ہمارے سامنے آتے ہیں، تو ہم انہیں کسی مافوق الفطرت، ان دیکھی قوت (یا قوتوں) سے دعائیں مانگتے پاتے ہیں۔ اور یہ منظر، تاریخ انسانیت کے ہر دور، ہر زمانے، ہر ملک اور ہر قوم میں مسلسل اور متواتر ہمارے سامنے آتا چلا جاتا ہے۔

**دعا کا عام مفہوم:** ہمارے ہاں دعا کا عام مفہوم، خدا سے کچھ مانگنا لیا جاتا ہے۔ اس مانگنے کا تصور ایسا غالب اور عمیق ہوتا ہے کہ ہم دعا مانگنے کے الفاظ بھی عام طور پر بولتے ہیں، حالانکہ اگر خود دعا سے مفہوم "مانگنا" لیا جائے تو "دعا مانگنا" کی ترکیب بے معنی اور بے ربط ہو جائے گی۔ عربی زبان میں دعا کے معنی مانگنا نہیں، بلکہ کسی کو آواز دینا، بلانا، پکارنا، ہیں۔ لیکن چونکہ عام طور پر کسی کو مدد کیلئے پکارا جاتا ہے، اس لئے اسکے معنی مدد مانگنے کے لئے جاتے ہیں۔

**دعا کے معنی اطاعت کرنا:** تم اطاعت اور محکومیت کو اس کیلئے خالص اور مختص کرتے ہوئے اسے پکارو۔ اس کے بعد ہے

قُلْ اِنِّیْ نُہِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّزِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ.........

(ترجمہ) (اے رسول ﷺ) انسے کہہ دو کہ مجھے اسے منع کر دیا گیا ہے کہ میں، ان کی عبودیت (محکومیت، اطاعت) اختیار کروں جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر "پکارتے ہو"

یہاں دیکھیئے دعا (پکارنا) اور عبادت (اطاعت کرنا) کے الفاظ مرادف معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ اور آخر میں

وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف خدائے رب العالمین کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کروں۔ "اسلم" نے دعا اور عبادت کے الفاظ کا مفہوم بالکل واضع کر دیا، یعنی احکام خداوندی کے سامنے جھک جانا۔

سورہ مریم میں حضرت ابراہیمؑ کے تزکار جلیلہ کے ضمن میں کہا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا

وَاَعْتَزِ لُکُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْدُوْنِ اللہ

میں تم سے بھی قطع تعلق کرتا ہوں اور ان سے بھی جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر "پکارتے ہو"

وَ اَدْعُوْ رَبِّیْ۔ میں اپنے رب کو "پکارتا ہوں"

چنانچہ جب اس نے ان سے اور جن کی وہ عبادت کرتے تھے، ان سے قطع تعلق کر لیا۔

سورہ مومن میں ہے، تمہارا رب تم سے کہتا ہے کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دونگا

جولوگ میری عبادت سے سرکشی اختیار کرتے ہیں، وہ ذلیل وخوار ہو کر داخلِ جہنم ہونگے۔(۴۰/۶۰)

سورۂ طور میں ہے کہ اہلِ جنت سے پوچھنے والے پوچھیں گے کہ تم نے کیا کیا تھا جس کی وجہ سے تم جنت کے مستحق قرار پا گئے، وہ جواب میں کہیں گے ہم اسے پہلے (دنیاوی زندگی میں) خدا کو پکارا کرتے تھے (۵۶/۶۸)

ظاہر ہے کہ اسے مراد احکام خداوندی کی اطاعت ہی ہو سکتی ہے کیونکہ محض خدا کو پکارنے سے تو کوئی بھی جنت کا مستحق اور جنت کا وارث قرار نہیں پا سکتا۔

ایک مقام پر رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا ہے کہ،

ان سے کہو کہ میں صرف اپنے رب کو' پکارتا ہوں' اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔(۷۲/۲۰)

یہاں بھی پکارنے سے مراد خدا کی عبودیت اختیار کرنا اور اس میں کسی اور کو شریک نہ کرنا ہے۔(شرک کے معنی ہی غیرِ خداوندی اقتدار کی اطاعت ہے)

یہی حضرات انبیاء کرامؑ کی عام دعوت تھی کہ،

اللہ کے علاوہ کسی اور کو نہ پکارو۔(۲۶/۲۱۳)

سورۂ انعام میں واضح الفاظ میں کہا گیا ہے کہ،

اے رسول ﷺ ان لوگوں سے کہ دو کہ جب مجھے خدا کی طرف سے اس قسم کی روشن ہدایت (راہ نمائی) مل چکی ہے تو اس کے بعد میں بھلا غیر اللہ کو کس طرح پکار سکتا ہوں۔ جبکہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں خدائے رب العالمین کے سامنے ہی جھکوں۔ اس کے سوا کسی اور کے احکام کی اطاعت نہ کروں۔ ہدایت خداوندی اور اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے الفاظ واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ خدا کو پکارنے سے مراد اس کے احکام وقوانین کی اطاعت کرنا ہے۔

**خدا اپنے مقبول بندوں کی دعائیں سنتا ھے:** خدا ہر ایک کی نہیں سنتا۔ وہ اپنے مقبول بندوں کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ اسی عقیدہ کا نتیجہ ہے کہ آپ کو ہر "حضرت صاحب" کے آستانہ عالیہ پر مصیبت زدہ اور آفت رسیدہ لوگوں کا ہجوم دکھائی دیتا ہے گڑگڑا، گڑگڑا کر، ہاتھ باندھے، اور اکثر ان کے پاؤں چومتے درخواست کرتے ہیں کہ یا حضرت میرے لیے دعا کیجیے ورنہ میں تباہ ہو جاؤں گا، برباد ہو جاؤں گا، اور یہ سلسلہ "حضرت صاحب" کی زندگی تک ہی محدود نہیں رہتا، ان کی وفات کے بعد (جسے وفات نہیں بلکہ وصال کہا جاتا ہے، یعنی ان کا اپنے محبوب۔ خدا۔ سے جا کر مل جانا) ان کے مزار شریف سے وابستہ ہو جاتا ہے، جہاں ان سے سجدوں میں گڑگڑا کر التجائیں کی جاتی اور مرادیں مانگی جاتی ہیں۔ جب ان سے پوچھا جائے تو جواب میں کہا جاتا ہے کہ ہم گنہگار بندے ہیں اس لئے ہماری خدا تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ یہ حضرات مقربین بارگاہِ خداوندی ہیں اس لئے خدا ان کی بات مانتا ہے (یہ عقیدہ بھی رکھا جاتا ہے اور اس کی ساتھ ہی قرآن مجید کی وہ آیت بھی پڑھی جاتی ہے جسے ہم نے اوپر بیان کیا ہے یعنی،

جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھے تو ان سے کہ دو کہ میں ان کے قریب ہوں۔ میں ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں

**دعائیں کس کی قبول ھوتی ھیں:** اب آیئے اس سوال کی طرف کہ دعائیں قبول کن لوگوں کی قبول ہوتی ہیں اور کس طرح ہوتی ہیں سب سے پہلے اس آیت کو لیجیے

فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (۲/۱۸۶)

ان سے کہو کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری مانگ پوری ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم میری راہ نمائی (قوانین) کی صداقت پر پورا پورا یقین رکھو اور میری اطاعت کرو۔

سورۂ شوریٰ میں ہے دعائیں قبول ان کی ہوتی ہیں جو ایمان لائیں اور اعمال صالح کریں۔(۴۲/۶۲)

یعنی ایمان واعمال صالح کا لازمی اور فطری نتیجہ کامیابی ہوتا ہے اور یہی دعا سے مقصود ہوتا ہے۔

سورۂ مومن میں ہے کہ تم مجھے پکارو۔ میں تمہاری پکار کا جواب دونگا۔ لیکن اتنی بات سن رکھو

جولوگ میری اطاعت سے سرکشی اختیار کریں گے، (ان کی دعائیں قبول نہیں ہونگی) وہ ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے (۴۰/۶۰)

سورۂ اعراف میں خدا کو پکارنے کے ساتھ ہی کہہ دیا کہ

وہ انہیں پسند نہیں کرتا جو حدود سے تجاوز کر جائیں (۷/۵۵)

یاد رکھو! جولوگ قوانینِ خداوندی کی صداقت سے انکار کریں، انکی دعائیں بیکار ہو جاتی ہیں (۴۰/۵۰)

دعاؤں کی مقبولیت کیلئے ایمان شرطِ اول ہے اور ایمان کے متعلق بھی سن رکھو کہ "انہی لوگوں کے متعلق سمجھا جائے گا کہ فی الواقعہ ایمان لائے ہیں جن کی کیفیت یہ ہو کہ جب ان کے سامنے قوانینِ خداوندی پیش کیے جائیں تو وہ سرِ تسلیم خم کر دیں اور پھر خدا کی صفتِ ربوبیّت کو وجہ حمد وستائش بنانے کیلیے پوری پوری جدوجہد کریں اور کسی حالت میں بھی اطاعت

خداوندی سے سرکشی اختیار نہ کریں وہ لوگ اس جدوجہد میں راتوں کو نیند تک بھی اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔

وہ اس طرح بیم و رجا، دونوں حالتوں میں خدا کو پکارتے ہیں اور جو کچھ خدا نے انہیں دے رکھا ہے، اسے ربوبیت عامہ کے لئے کھلا رکھتے ہیں (۱۵۔۳۲/۱۶)

**انبیاء کرام کی دعائوں کی قبولیت:** یہ تو تھی عام مومنین کی کیفیت۔ اب ذرا حضرات انبیاء کرامؑ کی دعاؤں کی قبولیت کی صورت بھی ملاحظہ فرمائیں تا کہ بات اور بھی واضح ہو جائے۔

حضرت نوحؑ کے متعلق کہا کہ جب ان کی قوم نے ان کی سخت مخالفت کی تو نا ذنا۔ اس نے ہمیں پکارا

تو ہم دعاؤں کا بہترین جواب دینے والے ہیں (۳۷/۷۵)

ان کی دعا کا کیا جواب دیا گیا تھا، غور سے سنیئے

ہم نے اس کی طرف وحی کی تم ہماری زیرِ نگرانی، ہماری ہدایات کے مطابق ایک کشتی بناؤ (۲۳/۲۷)

یعنی حضرت نوحؑ کی دعا کے جواب میں یہ نہیں کہا گیا کہ تم آرام سے بیٹھے رہو ہم تمہاری حفاظت کا انتظام کر دینگے انہیں وہ تدبیر بتا دی جس سے وہ اور ان کی جماعت آنیوالے سیلاب سے محفوظ رہیں۔

جب حضرت موسیٰ سے کہا گیا کہ وہ فرعون کی طرف جائیں اور بنی اسرائیل کو اس کے پنجہ استبداد سے نجات دلائیں تو انہوں نے اس مہم کی سختی اور اس میں پیش آنے والے خطرات کے احساس سے خدا سے بہت سی تائیدی اسباب و ذرائع کی دعا کی تا کہ وہ ان کی تقویّت کا موجب بنیں۔ اس کے جواب میں کہا

اے موسیٰ! جو کچھ تو نے مانگا ہے ہم نے تجھے عطا کر دیا (۲۰/۳۶)

ظاہر ہے کہ جب خدا نے اسطرح کہ دیا ہو کہ ہم نے تیری دعا قبول کر لی اور تیری مانگ پوری کر دی ہے تو پھر اور کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ سکتی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان سے کہ دیا کہ

تم دونوں (حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی حضرت ہارون) فرعون کی طرف جاؤ اور یاد رکھو! جو پروگرام تمہیں دیا گیا ہے، اس کے بروئے کار لانے میں ذرہ سی بھی سستی نہ کرنا۔ دوسری جگہ ہے

خدا نے کہا کہ میں نے تمہاری دعا کو قبول کر لیا ہے اب تم اس پروگرام پر جم کر کھڑے ہو جاؤ اور یاد رکھو! تم کبھی ان لوگوں کا اتباع نہ کرنا جو حقیقت کا علم نہیں رکھتے۔

اسی طرح حضرت موسیٰ نے دعا کی کہ ان کی امت کو دنیا اور آخرت کی خوشگواریاں عطا کر دی جائیں تو جواب میں کہا گیا کہ ایسا ہو جائے گا بشرطیکہ "یہ لوگ نبی آخرالزماں کا اتباع کریں اس میں شبہ نہیں کہ ہماری رحمت ساری کائنات پر چھائی ہوئی ہے لیکن انسانوں میں سے وہ انہیں کو ملتی ہے جو ہمارے قوانین کی صداقت پر یقین رکھیں۔ ان کی پوری پوری نگہداشت کریں اور دوسروں کے لئے سامانِ نشوونما مہیا کریں۔" (۷/۱۵۶۔۱۵۷)

حضرت زکریا نے بیٹے کیلیے دعا کی تو انہیں اس کی خوشخبری اسی وقت دے دی گئی۔ لیکن یہ دعا پوری اس طرح ہوئی کہ

اَصۡلَحۡنَا لَهٗ زَوۡجَهٗ (۲۱/۹۰۔۸۰)

ان کی بیوی میں جو نقص تھا جس کی وجہ سے ان کے ہاں اولاد نہیں ہوتی تھی، اس کی اصلاح ہوگئی۔

ان تصریحات سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ جن دعاؤں کے متعلق یہ کہ دیا گیا کہ ہم نے انہیں قبول کر لیا ہے، ان کے سلسلہ میں بھی یہ تاکید کر دی کہ ان کی کامیابی کیلیے جن طبیعی اسباب و ذرائع کی ضرورت ہے انہیں بہم پہنچایا جائے اور اپنے پروگرام پر ثبات و استقامت سے عمل پیرا ہوا جائے۔ یہ نہیں کہ دعا مانگ لی اور پھر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے۔

**لبِ دریا پیاسا:**

تم ذرا اس پیاسے کا تصور سامنے لاؤ جو اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے دریا کے کنارے کھڑا ہے۔ کیا ایسے شخص کی پیاس بجھ جائے گی؟ کبھی نہیں۔ پیاس اس کی بجھے گی جو آگے بڑھ کر پانی سے چلو بھر لے اور اسے پی لے۔ پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر کھڑے رہنے سے قیامت تک پیاس دور نہیں ہو سکتی۔

جو لوگ قانونِ خداوندی کی صداقت سے انکار کرتے ہیں ان کی دعائیں یوں رائیگاں جاتی ہیں۔ (۱۳/۱۴)

**مظلوموں کی دعائیں کیسے سنی جاتی ہیں:**

کیا خدا کی خدائی میں، مظلوموں اور مصیبت زدہ کی کوئی داد فریاد نہیں! ان کے دکھوں کا کوئی مداوا نہیں۔ ان کی پریشانیوں کا کوئی علاج نہیں۔ ان کی دعاؤں کا سننے والا کوئی بھی نہیں؟ قرآن ان سوالوں کا جواب اثبات میں دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ ان کی دعائیں سنی بھی جاتی ہیں اور قبول بھی کی جاتی ہیں۔ لیکن اس کا طریقہ کچھ اور ہے وہ طریقہ کیا ہے اسے غور سے

سنیئے۔

برسہابرس کی محنتِ شاقہ اور تگ و تازِ پیہم کے بعد، مدینہ میں جماعت مومنین کی اپنی مملکت قائم ہوگئی لیکن جو مسلمان اس وقت تک مکہ میں محصور تھے، قریش کی طرف سے ان پر مظالم کا سلسلہ شدید سے شدید تر ہوتا چلا گیا۔ اس انتہائی بے کسی اور مظلومیت کے عالم میں انہوں نے خدا سے دعا کی کہ ہماری مدد کر اور ہمارے لئے ان ظالمین کے جور و ستم سے نجات حاصل کرنے کی کوئی صورت پیدا کر۔ انہوں نے خدا سے دعا کی اور آپ کو معلوم ہے کہ خدا نے کیا کیا؟ خدا نے مدینہ کی جماعت مومنین سے کہا کہ

اے جماعت مومنین! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم خدا کی راہ میں جنگ کے لئے نہیں اٹھتے

کیا تم سنتے نہیں کہ مکہ کے مظلوم و مقہور، بیکس و بے بس، کمزور و ناتواں، مرد، عورتیں، بچے کس طرح گڑگڑا گڑگڑا کر ہم سے فریاد کر رہے ہیں کہ بارِ الہا! ہمیں اس بستی سے نکال لے جس کے رہنے والوں نے اس قدر ظلم و استبداد پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اے مملکتِ اسلامی کے علمبردارو! کیا تم ان کی ان دعاؤں کو نہیں سن رہے؟ اور اگر سن رہے ہو تو پھر کس بات کے انتظار میں ہو۔ تم ان کی امداد کیلئے اٹھتے کیوں نہیں تم نہیں سن رہے کہ وہ ہم سے کس الحاح و زاری سے کہہ رہے ہیں کہ

وہ ہم سے کہہ رہے ہیں کہ تو اپنی طرف سے ہمارے لئے کوئی یار و مددگار پیدا کر ۔کوئی حامی و ناصر بھیج ۔(۴/۷۵)

غور کیجئے مکہ کے مظلوم خدا سے فریاد کرتے ہیں خدا کیلئے کیا مشکل تھا کہ وہ براہ راست ان کی امداد کر دیتا اور انہیں دشمنوں سے نجات دلا دیتا۔ اس نے اس مملکت، اس حکومت، اس نظام سے کہا جو اس کے نام پر، اس کے قوانین کو نافذ کرنے کیلئے قائم ہوا تھا کہ تم ان کی پکار کا جواب دو۔ تم ان کی مدد کیلئے اٹھو۔

یہ ہے مظلوموں کی دعاؤں کے قبول ہونے کا صحیح طریقہ۔ یہی جماعت مومنین، جواب مدینہ میں تھی۔

## دعامانگنے کی ضرورت کب پڑتی ہے؟

آپ نے کبھی اس بات پر بھی غور کیا ہے کہ مظلوموں اور بے کسوں کو خدا سے دعا مانگنے کی ضرورت کہاں اور کب پیش آتی ہے۔ اس کی ضرورت پیش آتی ہے اس غلط معاشرہ میں جہاں کوئی بات قاعدے اور قانون کے مطابق نہ ہوتی ہو۔ ہر جگہ دھاندلی ہو رہی ہو کسی حقدار کو اس کا حق نہ ملے۔ جہاں مظلوم کی مدد کرنے اور ظالم کا ہاتھ روکنے والا کوئی نہ ہو ۔ جہاں اس شخص کا کوئی پرسانِ حال نہ ہو جو معاشرہ میں تنہا رہ جائے۔ جہاں غنڈہ گردی ایسی ہو کہ شریف انسانوں پر عرصہ حیات تنگ ہو جائے۔ جہاں افراتفری اور نفسا نفسی کا یہ عالم ہو کہ جو کہیں اتفاق سے گر جائے سب اسے روندتے چلے جائیں۔ کوئی اس کے اٹھنے کی فکر نہ کرے جہاں کسی کو اس کا خیال نہ ہو کہ کس کے بچے بھوکے ہیں اور کس کے تن پر کپڑا نہیں۔ جہاں مفلس مریض اس لئے بن آئی موت مر جائے کہ اس کے پاس علاج کیلئے پیسہ نہیں تھا اور بیوہ ماں اپنے جوان بیٹے کی موت پر اس فکر میں گھلی جا رہی ہو کہ اسے گور و کفن کیسے مل سکے گا اور اب میرا کیا بنے گا یہ ہے وہ معاشرہ جہاں بیکسوں اور ناداروں کو قدم قدم پر خدا سے دعائیں کرنی پڑتی ہیں کہ اس کے سوا ان کے سامنے امید کا کوئی اور سہارا نہیں ہوتا۔ یہی ہے وہ معاشرہ جس سے متاثر ہو کر کہنے والے نے کہا ہے کہ

جو نہیں آشنا مصیبت کا　　　درد و غم کا نہ جو شکار ہوا
جس پر کوئی کبھی نہ وقت پڑا　　　جو نہ اُٹھ اُٹھ کے رات کو رویا
وہ نہیں جانتا دعا کیا ہے
اسے معلوم کیا خدا کیا ہے

ہماری دعائیں اس لئے قبول نہیں ہوتیں کہ ہم نے اس زمین پر اللہ کو للکارا ہے جس زمین پر ظلم ہو فساد ہو خون ریزی ہو ناحق قتل ہوں زنا ہو شراب عام ہو دھوکہ عام ہو جھوٹ عام خوراک کا ذخیرہ عام ہو زکوٰۃ کے منکر عام ہو صدقات و خیرات بند ہو جائے غریب ترسی ختم ہو جائے بے حیائی اور عریانی کا سیلاب ہو مائیں بہنیں اور بیٹیاں برہنہ اللہ کی زمین پر گھومیں پھر کیا ہوتا اللہ کا عذاب زلزلوں کی شکل میں قحط سالی کی شکل میں آتا ہے آج ہمیں جس کا سامنا ہے اس لئے ہمیں رب سے مانگنا شروع کر دینا چاہیے۔

## ایک دوسرے کیلیے دعائیں کرنا:

ایک دوسرے کیلیے دعا کرنا، تو یہ درحقیقت ان کے حق میں ہماری نیک آرزوؤں کا اظہار ہوتا ہے جس سے انہیں سکون حاصل ہوتا ہے۔ معاملات کی دنیا میں اسے اخلاقی تائید کہا جاتا ہے اس سے خود اس شخص کے اندر ایک قسم کی نفسیاتی قوت بیدار ہو جاتی ہے۔ جس کے اثرات نہایت خوشگوار ہوتے ہیں جس محبوب جاں نواز کے دیکھنے سے (غالب کے الفاظ میں) مریض کے منہ پر رونق آ جائے، اسے چار کلمات تسلی یا دو الفاظِ تحسین سننے سے جو قلبی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے یہی حیثیت مردہ کیلیے دعائے خیر کی ہے اس سے مردہ پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا، اس کے پسماندگان کے غم و اندوہ میں کمی ہو جاتی ہے اس قسم کے معاشرتی روابط کا یہی فائدہ ہوتا ہے اس سے انسان اپنے آپ کو معاشرہ میں تنہا محسوس نہیں کرتا اور سخت سے سخت مصیبت میں بھی اس کا حوصلہ قائم رہتا ہے اسی لیے حضور نبی کریم ﷺ سے کہا گیا تھا کہ یہ لوگ جب اپنے عطیات تیرے پاس لائیں تو انہیں

قبول کرنے کے بعد صلی علیہم انہیں شاباش دیا کر۔انہیں دعادیا کراسلیے کہ إِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (۹/۱۰۳) تیری دعاان کیلیے بڑی موجبِ تسکین ہوتی ہے

سامعین محترم ہمیں اب وضاحت کے ساتھ بتادیا گیا ہے کہ دعا کے معنی ومفہوم اورانبیا کی دعائیں کیا ہیں آپ اس بات کو جانتے ہیں بچہ روتا ہے تو ماں دودھ دیتی ہے اگر بچہ دھمکی اور بے رغبتی کے انداز میں مانگے تو ماں بھی دینے سے انکار کردیتی ہے یہی حال ہمارا ہے ہم دعا بھی مانگ رہے ہوتے ہیں اور کسی کو دھوکہ دینے کے متعلق بھی ذہن چل رہا ہوتا ہے بلایہ ہاتھ دعا کیلیے اُٹھائے ہوتے ہیں لیکن دل اور ذہن کسی اور طرف ہوتا ہے اگر ہم چاہیں کہ اللہ دعاؤں کو قبول کرے تو ہمیں اللہ سے دعائیں ایسی مانگنی ہونگی جیسے دین حق نے سکھائی ہیں ہم جب بھی دعا مانگنے لگیں تو اپنے آپ کو عاجز بھکاری بنا کر اللہ کے سامنے کھڑے ہوں اور پھر دعا کے آغاز میں اللہ کی حمد وثناء کریں اور پھر حضورؐ پر درود پڑھیں اور پھر جو بھی مانگنا چاہیں اپنے رب سے مانگیں پھر آخر میں حمد وثناء اور درود کے بعد یقین کے ساتھ دعا ختم کردیں وعدہ کریں انشاللہ آج کے بعد ایسی ہی دعا مانگا کریں گے اللہ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ امین یارب العٰلمین